عربی تنقید کا عہدِ زرّیں

سید محمد ہاشم شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(۲)

عربی انتقاد کے اثرات فارسی اور تنقید پر

عربی تنقید نے مشرقی تنقید کی رہنمائی کی ہے۔ عہدِ عباسیہ میں عربوں نے ایران فتح کر لیا تھا، یہاں فارسی شعر و ادب کا باقاعدہ آغاز اس فتح کے بعد ہی ہوا ہے۔ چونکہ فارسی شعر و ادب عربی کے زیرِ اثر وجود میں آئے اس لئے ظاہر ہے کہ تمام اصناف عربی کی تقلید کا نتیجہ ہوں گی۔ تنقیدی سرمایہ فارسی میں آج بھی بڑی حد تک ناکافی ہے اور موجودہ عہد سے پہلے تو جو کچھ بھی تنقیدی نمونے ملتے ہیں وہ کلی طور پر عربی تنقید کا پرتو لئے ہوئے ہیں۔ امیر عنصر المعالی کیکاؤس۔ رشید الدین وطواط۔ نظامی عروضی اور شمس قیس رازی وغیرہ فارسی کے اہم نقاد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہ سبھی لوگ کسی نہ کسی شکل میں عربی تنقید سے جا ملتے ہیں۔ مثلاً کیکاؤس نے "قابوس نامہ" میں اپنے بیٹے کو بہت سی نصیحتیں کی تھیں، شاعری کے سلسلے میں جب وہ ہدایات دیتا ہے تو اس کی شکل یہ ہوتی ہے:۔

کوشش کرو کہ تمہارا کلام سہل ممتنع ہو۔ غرابت اور تعقید سے شعر میں احتراز کرو۔ ایسی بات مت کہو جو تم جانتے ہو اور دوسرا نہیں جانتا۔ ورنہ اس کی تشریح کرنا ہوگی۔ اور اتنی مبہم چیز پیش کرنا مناسب نہیں۔ شعر کے لئے صرف وزن اور قافیہ پر قناعت مت کرو اور نہ بغیر تہذیب و تزئین کے شعر کہو۔ اگر تم اپنے کلام کو اعلیٰ درجہ کا بنانا چاہتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ وہ ہمیشہ باقی رہے تو استعاروں کی زبان (استعاراتی زبان) استعمال کرو۔ استعارے بھی قریب الفہم ہوں۔ اور مدح میں بھی استعارے کام میں لاؤ۔ اگر غزل و رباعی کہو تو وہ سہل اور لطیف و شیریں ہوں۔ اس کے قافیے بھی عام اور مروج ہوں۔ عربی کے غریب اور ثقیل نہ ہوں۔ عاشقانہ کلام پرکیف اور شیریں ہو۔ ضرب الامثال دل پسند اور خاص و عام کو بھلی لگنے والی ہوں۔ خبردار! ثقیل و دقیق اور عروض کی سخت قیود کے ساتھ شعر مت کہو۔ کیونکہ بعض

عروض اور ثقیل اوزان کے سہارے وہ شخص چلتا ہے جس کی طبیعت میں رنگینی اور لطافت نہیں ہوتی اور جو شیریں الفاظ اور لطیف و ظریف معنی پیش کرنے سے عاجز رہتا ہے۔۔۔ لیکن علم عروض سیکھنا خود چاہیئے۔ نیز شاعری، اس کے آداب اور شعر کی پرکھ، نقد و نظر کے پیمانوں سے واقفیت حاصل کرنی چاہیئے تاکہ اگر کبھی شعرا کے درمیان مناظرہ یا مقابلہ ہو تو تمہیں کسی سے شرمندگی، ندامت اور عجز کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔[1]

مقابلہ کریں تو مماثلت ظاہر ہے۔ خاص طور سے العمدۃ سے عبدالکریم بن ابراہیم کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اس کے زیادہ قریب ہے۔ نظامی۔ قدامہ سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

شاعری وہ صنعت ہے جس کے ذریعہ شاعر خیالی مقدمات کو اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ اس سے ہلکا اور معمولی مفہوم عظیم بن جاتا ہے اور بلند معنی پست۔ وہ اچھی باتوں کو بُرا اور بُری باتوں کو خوبصورت رنگ میں پیش کر دیتا ہے۔ ابہام کے ذریعہ غضبانی و شہوانی قوتیں برانگیختہ کرتا ہے تاکہ طبائع کو انقباض و انبساط حاصل ہو سکے۔ یہ شعر دنیا کے بڑے بڑے کاموں کے وجود کا سبب بن جاتا ہے (چہار مقالہ۔ مقالہ دوم ص ۴۲)

یہ پورا رنگ قدامہ بن جعفر سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ نظامی تاثیر کو شعر کے لئے لازمی قرار دیتا ہے۔ فصاحت اور ایجاز بیانی شعری حسن کے لئے ضروری تصور کرتا ہے۔ اساتذہ کے دواوین کا مطالعہ اور کم از کم بیس ہزار اشعار شاعر کی نظر سے گذرنا چاہئیں تبھی شعر میں پختگی پیدا ہو سکتی ہے۔ علم عروض سے واقفیت نظامی کی سب سے آخری شرط ہے۔

"المعجم فی معاییر اشعار العجم" شمس قیس رازی کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ ایجاز بیانی، بلاغت، نادرہ اور عمدہ تشبیہ و استعارے کا صحیح اور مناسب ترین استعمال وغیرہ ان کی تنقید کی مبادیات ہیں:۔

شعر کی بنیاد مناسب وزن، شیریں لفظ، متین عبارت، درست قوافی، سہل ترکیب اور لطیف معانی پر رکھی جائے۔ شعر قریب الفہم ہونا چاہیئے اور اسے سمجھنے میں زیادہ غور و فکر درکار نہ ہو۔ دور از کار تشبیہات و استعارات، مجازات شاذ و تجنیسات منکرہ سے شعر پاک ہو۔ لفظ و معنی کے لحاظ سے ہر شعر منفرد اور حد اتحاد ہو۔ (المعجم، شمس قیس رازی، ص ۲۹۸)

قدما کی طرح ناقدی بھی قدیم اور مستند شعراء کے تتبع کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے

[illegible]

شعر میں بحیثیت فن اور اسلوب خواہ وہ نسیب و تشبیب ہو، مدح و ذم ہو یا تعریف و تنقیص اعلیٰ درجہ کے اور مستند اساتذۂ فن کے اصولوں سے انحراف نہ کیا جائے۔ ایک معنی کو دوسرے معنی میں بیان کرتے اور ایک خیال کو دوسری طرف منتقل کرنے کے لئے جب اساتذہ سے گریز کرے تو وہ پسندیدہ گریز ہو اور اس کے آغاز میں مناسب تنوع کو ضروری تصور کرے۔ مدح کے درجات اور توصیف کے مراتب کا حتی الامکان خیال رکھنے کی کوشش کرے۔"

یہ مثالیں اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ فارسی ناقدین بھی حسن ادا اور طرزِ بیان کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ شاعر ایسا طرزِ بیان اور حسنِ ادا اختیار کرے کہ معنی آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔ یہاں یہ احساس ہوتا ہے کہ مشرقی تنقید اپنی ہیئت پرستی نیز معنی بیزاری کے لئے جو بدنام ہے وہ انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ ہر جگہ معنی کا تذکرہ اور لفظی حسن کو معنی کی سہولت کی خاطر اہمیت دینا ان کی معنی دوستی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ پیرایۂ بیان کے حسین ہونے پر عربی میں جس زور و شور اور اہتمام کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا تھا، فارسی نے بھی اسی طرح اس کو اختیار کیا۔ فارسی میں بعض نکات کی وضاحت بھی ہوئی کچھ اضافے بھی ہوئے اور کچھ اپنی آرا بھی پیش کی گئیں لیکن بنیادی طور پر ڈھانچہ وہی ہے جو عربی نے پیش کیا تھا اور یہی چیز مشرقی تنقید کا مسلمہ قرار پاتی ہے۔

دو شاعروں کا موازنہ فارسی میں بھی کیا جاتا رہا۔ "طبقات" لکھنے کی جو روایت ابن سلام نے قائم کی تھی "تذکروں" کی شکل میں وہ فارسی میں بھی نمودار ہو گئی۔ "مناقب الشعراء" چہار مقالہ، لباب الالباب وغیرہ اس کی مثال ہیں۔ اس طرح عربی و فارسی دونوں زبانوں نے مل کر اردو تنقید کے خط و خال مرتب کئے۔

جس طرح عربی کے زیر اثر فارسی شعر و ادب کا آغاز اور تربیت ہوئی تھی ٹھیک یہی حالت اردو کے ساتھ فارسی کی رہی ہے۔ مغلیہ دور (بہادر شاہ ظفر، ۱۸۵۷ء) تک اردو فارسی کے ہی سایۂ عاطفت میں پروان چڑھی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی وغیرہ اصناف کی تقلید کے پہلو بہ پہلو نقد و نظر کے تمام معاییر بھی فارسی کے مرہونِ منت ہیں۔ اگرچہ ابتدا ہی میں اردو میں تنقید کی کوئی کتاب وجود

میں نہیں آسکی تھی تاہم شعرا کے کلام اور بعد از دین کے دیباچوں وغیرہ میں جو تنقیدی نقوش دستیاب ہوتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ادائے معانی میں اساتذہ کا تتبع، تزئینِ کلام کی ہر ممکن کوشش، لفظ و معانی کا باہمی ارتباط، شیریں الفاظ، عبارت شستہ، قوافی درست، دور از کار تشبیہات و استعارات اور تعقید و غرابت سے پرہیز، لطافت، شیرینی، شگفتگی، سادگی و سلاست، روانی و تاثیر وغیرہ کا تقاضا التزام سے بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ کرتے ہیں۔ فارسی میں بھی اسی طرح کی باتیں کہی جاتی تھیں کہ شعر سہل ممتنع کا نمونہ ہو، شیریں الفاظ ہوں، متین و سنجیدہ عبارت ہو۔ درست قوافی ہوں، سہل ترکیب ہو، دور از کار تشبیہات و استعارات نہ ہوں۔ فصاحت و بلاغت اور تاثیر ہو۔ تعقید نہ ہو، گنجلک اور ثقیل کلام نہ ہو، غرابت و ابہام سے پاک ہو۔ عروض کی سخت بندش سے آزاد ہو، اساتذہ کے کلام پر گہری نظر ہو اور ان کا اتباع کیا گیا ہو۔ غرض جملہ محاسن موجود ہوں، عیب ایک بھی نہ ہو۔ ایسے تنقیدی نظریات پیش کرنے والے ابتدائی شاعروں میں ملا وجہی کا نام پیش پیش ہے جس نے اپنی مثنوی "قطب مشتری" میں "در شرح شعر گوید" کے عنوان سے بھی" ایک منظوم تنقیدی مقالہ" شامل کیا ہے۔ شعر کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ سلاست، ربط، نزاکت، لفظ و معانی کا باہمی ارتباط، اساتذہ کا اتباع، موزوں منتخب اور بلند معنی والے الفاظ کا استعمال، زور دار معنی، شعر کی تزئین و تہذیب، جدت و رنگینی وغیرہ خصوصیاتِ شعر کو بہت اہم بتاتا ہے۔ اس کے چند اشعار پیش ہیں۔

سلاست نہیں جس کیری بات میں ۔۔۔ پڑیا جائے جنزلے کر بات میں
جسے بات کے ربط کا فام نہیں ۔۔۔ اسے شعر کہنے سوں کچ کام نہیں
ہنر ہے تو کچ نازکی برت یاں ۔۔۔ نہ موطاں میں باندتے رنگ کیاں
دو کچ شعر کے فن میں مشکل اچھے ۔۔۔ کہ لفظ ہور معنی یو سب مل اچھے
اسی لفظ کوں شعر میں لیائیں توں ۔۔۔ کہ لیا یا ہے استاد جس لفظ کوں
رکھیا ایک معنی اگر زور ہے ۔۔۔ ولے بھی مزا بات کا ہور ہے

وجہی سلاست، تکمیلِ خیال، لفظ و معنی کا باہمی ارتباط، استاد کی سند، تزئینِ کلام، زورِ بیان

ندرت و جدت وغیرہ کو شعر کی بنیادی خوبیوں میں شمار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شعر کہنا تو مشکل کام ہے ہی اس کی باریکیوں تک رسائی اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

"شعر بولنا اگرچہ اپرد پ ہے ولے فاما کہنے تے خوب ہے

"پھولبن" بھی ایک دکنی مثنوی ہے۔ اس کا مصنف ابن نشاطی کہتا ہے کہ میں نے اپنی تصنیف میں انتالیس صنعتیں استعمال کی ہیں اس کے باوجود وہ شعر میں سلاست اور سادگی پر زور دیتا ہے۔ صنائع و بدائع اور صحت قافیہ کو شعر کے لئے ضروری تصور کرتا ہے شعر کی عظمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے اسے خیر و حکمت اور نصیحت کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔

جو کوئی صنعت سمجھتا ہے سو گیانی وہی سمجھے میری یو نکتہ دانی
ولے استاد سوں تشبیہ دیتا چلی سوں بات کوں تنظم کیتا
اگرچہ شاعری کا فن ہے عالی ولے کیا کام آدے بات خالی
کہے ہیں شعر کوں کر خیر و حکمت کہ یو ہے شرط کچھ ہو نا نصیحت

اسی زمانے میں شمالی ہند میں فائز نے اپنا دیوان مرتب کیا۔ اس کے دیباچے (خطبہ) میں وہ بھی بلاغت کلام، شیرینیٔ الفاظ اور لطافت معنی کی تاکید کرتا ہے۔ امیر عنصر المعالی نے قابوس نامہ میں جو ہدایات دی ہیں، ان کا اور شمس قیس رازی کے خیالات کا عکس اس کے یہاں ملتا ہے۔

"شاعری خواہ کسی ہیئت میں ہو بلیغ ہونی چاہیئے اس کے قوافی درست، معانی لطیف، الفاظ شیریں، سہل اور شستہ عبارت ہونی چاہیئے۔ حکما کے کلام کا تتبع کیا جانا چاہیئے تاکہ طبع سلیم سے جزیل و رکیک میں شناخت کی جا سکے۔ دور از کار تشبیہات، غیر معتبر اشارات، تعقید سے بھرے ہوئے ایہامات، غرابت سے مملو صفات، بعید از قیاس استعارات سے احتراز کرے۔ اساتذہ کی استعمال کردہ تراکیب پر خاص توجہ دے تاکہ ان روایات سے واقف ہو جائے۔ نیز مصطلحات سے باخبر رہے، ان کے نکات کو ذہن نشین رکھے تاکہ اس پر ملکہ حاصل ہو سکے۔۔۔"

(خطبہ دیوان فائز، مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب)

ولی بھی شیریں بیانی، لطافت، روانی شعر کی تہذیب و تزئین اور پابندیٔ الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کا دامن مضبوطی سے تھامنے کا التزام کرتے ہیں

ولی شیریں زبانی کی نہیں ہے چاشنی سب کو — حلاوت فہم کو میرا سخن شہد و شکر دیتا
ہر سخن تیرا لطافت سوں ولی — مثل گوہر زینتِ ہر گوش ہے
گرچہ پابند لفظ ہوں لیکن — دل مرا عاشق معانی ہے

”عبرت الغافلین“ اور ”سبیلِ ہدایت“ میں سودا بھی مشرقی اصول تنقید کے مؤید نظر آتے ہیں۔ الفاظ اور ہیئت پر اظہارِ خیال، صحت زبان کی کوشش، چستیٔ بندش، صحت محاورہ، نئی نئی تراکیب کا استعمال نئے الفاظ کی معنویت کا احساس اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ وہ صنائع اور رعایت لفظی کے استعمال میں توازن کے قائل ہیں۔ غیر معتدل لفظی رعایت اور بعید از فہم استعارات و مجازات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے مخمس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

یاں تلک بات نہیں ماہ کے گر ساتھ ہو شہر — زلف کے واسطے بندھ جائے کہیں سانپ کی لہر
چشم کے وصف میں گو ہووے تو ہو گردشِ دہر — نہ تلاش ان کے سخن کا ساکہ جس میں یہ قہر
باندھیں لب کو جو یہ اخگر تو دہن کو منقل

اسی طرح سودا روایت کے مطابق تاثیر کو اچھے شعر کا جزو لاینفک بتاتے ہیں -

نہیں آفاق میں دلکش سخنِ بے تاثیر — گر اثر ہو تو کریں دل کو مسخر اشعار

محمد باقر آگاہ نے اپنے دیوان کے دیباچے میں جن تنقیدی خیالات کا اظہار کیا ہے وہ شمس قیس رازی سے ماخوذ اور مآثر کی کورانہ تقلید کا نتیجہ ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ مصحفی نے ”مجمع الفوائد“ میں شعر کے محاسن اور معایب کا علیحدہ علیحدہ تفصیل سے ذکر کیا ہے، وہ بہت اہم ہے۔ شعر کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اچھے شعر میں الفاظ اور حروف کی ترکیب و ترتیب اس طرح ہونی چاہیے کہ مصرعوں اور شعروں سے معنی کا ادا ہونا آسانی کے ساتھ ہو سکے تاکہ سننے والا کسی تامل اور تعقید میں نہ پھنس جائے۔ دوسری خوبی

یہ ہے کہ شعر محض جھوٹ نہ ہو اس میں صداقت بھی ضروری ہے۔ تیسری چیز مبالغہ ہو مگر اس میں غلو نہ ہو چوتھے غلو ہو مگر مدح کی حد تک غزل میں نہیں ہونا چاہئیے۔ پانچویں۔ عبارت میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ رکھنا چھٹے حروف کی صحیح مناسبت ہو۔ ساتویں نئے انداز و اطوار کی ایجاد۔ آٹھویں فصاحت و بلاغت کا خیال، نویں نئے معنی پیدا کرنا۔ دسویں پرانے معنی کو ایسا لباس پہنانا کہ وہ نئے معلوم ہوں اور ان کی شناخت نہ ہو سکے۔ گیارھویں سرقہ اور توارد سے حتی الامکان پرہیز، اور اگر بغیر کسی ارادے کے اتفاق سے شعر میں توارد ہو جائے تو بلند حوصلگی کے ساتھ اس پر خط نسخ کھینچ دے۔ بارھویں نظم میں ایسی گنجائش باقی نہ چھوڑے جس پر اعتراض کیا جا سکے۔ شعر کے معایب میں خصوصاً مندرجہ ذیل امور شامل ہیں۔

غرابت۔ یہ وہ کلمہ ہے جو شعروں میں کم ہی سنا گیا ہو (یعنی روزمرہ کے خلاف ہو) ایسا لفظ شعر میں نہیں لانا چاہئیے۔ دوم تنافر۔ وہ حرف جو سننے پر کانوں کو ناگوار اور بولنے پر زبان کو ثقیل معلوم ہوں۔ سوم تعقید۔ شعر میں ایسے لفظ یا معنی کا استعمال جنھیں سمجھنے سے عقل قاصر رہے۔ چہارم۔ لفظوں کی تقدیم و تاخیر۔ پنجم ضعف تالیف۔ اور ششم توالی اضافت وغیرہ"

(مجمع الفوائد بحوالہ مصحفی اور ان کا کلام۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ص ۱۰)

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

آتش، غالب، ناسخ وغیرہ کے اس طرح کے اشعار میں مشرق پسندی کا پورا پورا احترام موجود ہے۔ یہ اشعار گذشتہ اوراق میں پیش کئے ہوئے خیالات و اقتباسات کی منظوم شکل ہیں۔ مشرقی تنقید کا یہ سلسلہ حالی و شبلی پر آ کر دم توڑنے لگتا ہے۔ اور یہاں سے مغربی اثرات اپنا رنگ جمانا شروع کر دیتے ہیں۔ شبلی اور حالی دونوں مغربی ادب سے بالواسطہ طور پر [illegible]

کہیں کہیں ان کے یہاں اسی مشرقی تنقید کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگتی ہے اور یہ حضرات معنی کی اہمیت پر زور دینے کے باوجود ہیئت پرستی لفظی حسن اور طرز بیان کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔
پچھلے مضمون میں ابن خلدون کے جو تنقیدی خیالات پیش کئے گئے ہیں اس میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ الفاظ کو مثل پیالہ اور معانی کو مثل پانی سمجھتے ہیں۔ حالی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہیں۔ اس کے باوجود فرماتے ہیں:۔

ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ شاعری کا مدار جس قدر الفاظ پر ہے، معانی پر نہیں۔ معانی کیسے ہی بلند اور لطیف ہوں اگر عمدہ الفاظ میں بیان نہیں کئے جائیں گے ہرگز دلوں میں گھر نہیں کر سکتے اور ایک مبتذل مضمون پاکیزہ الفاظ میں ادا ہونے سے قابل تحسین ہو سکتا ہے۔"

گویا آخری بات حالی نے قدامہ بن جعفر کی تائید میں کہی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حالی مشرقی انداز نقد سے بڑی حد تک اتفاق کرتے ہیں۔ شبلی بھی انشاپردازی اور شاعری کی عمدگی کا انحصار الفاظ اور ہیئت پر ہی رکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ شاعری یا انشاپردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ پر ہی ہے۔"

مشرقی تنقید میں موازنہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عربی۔ فارسی کی طرح اردو میں بھی یہ روایت قائم رہی۔ موازنہ کے سلسلے میں شبلی کے موازنۂ انیس و دبیر کو بہت ہی اہم مقام حاصل ہے۔
مشرقی تنقید کے معیاروں پر شعر کو پرکھنے کا عمل حالی و شبلی کے بعد بھی جاری رہا لیکن زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس میں مغربی اثرات شامل ہوں گے۔ اس لئے مشرقی تنقید کی روایت پر گفتگو کرتے وقت حالی و شبلی کے عہد تک کے معاییر کو ہی پیش نظر رکھا جائیگا۔

مشرقی تنقید کی تنقیدی اہمیت مسلم ہے۔ جس طرح افادی، جمالیاتی، تاثراتی، سماجی، نفسیاتی اور اسلوبیاتی دبستان تنقید ہیں اسی طرح تنقید کا ایک اہم دبستان مشرقی تنقید بھی ہے۔ اس میں بلاشبہ شاعری کو صناعت بتایا گیا ہے جبکہ یہ تخلیق ہے اور تخلیق و صناعت کا فرق ظاہر ہے لیکن اس کے علاوہ جن امور پر اس میں زور دیا جاتا ہے وہ قابل قدر ہیں۔ مثلاً ہیئت۔ الفاظ۔ طرز بیان اور

حسن ادائی عمدگی پر زور دینے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے معانی بلیغ تر اور سہل ترین ہو سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ ظاہری حسن بھی باقی رہے۔ شعر میں بندشِ الفاظ سے ایک خاص قسم کا آہنگ اور RHYTHEM پیدا ہوتا ہے۔ یہ شعر کے لئے لازمی ہے۔ اس لئے اس پر توجہ دی جاتی ہے۔ مشرقی تنقید کی ہیئت پرستی نے ادبی اقدار کو تقویت پہنچائی ہے۔ اس کے علاوہ اساتذہ کی سند کا یہاں بار بار ذکر کیا جاتا ہے زمانہ قدیم سے لے کر آج تک شاعری کے اعلیٰ نمونوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سند کے بغیر شاعری اعلیٰ بن ہی نہیں سکتی۔ اس سند کے سہارے جو جدتیں پیدا کی جاتی ہیں وہ بھی بلند پایہ ہوتی ہیں اور اس سند کے رجحان کا مجموعی فائدہ بھی ادب کو پہنچا ہے۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اس تنقید میں مواد کی تحلیل و تجزیہ نہیں کیا جاتا جس کے سبب یہ تنقید موجودہ تنقید کا ساتھ نہیں دے سکتی اس خامی کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں اگرچہ سبب ظاہر ہے کہ عرب کے مخصوص جغرافیائی حالات اور محدود ماحول میں اس سے زیادہ کچھ ممکن نہیں تھا۔

یہ تنقید سب سے زیادہ معمر ہے۔ چودہ سو برس پہلے اس کی بنیادیں رکھی گئی تھیں، عہدِ عباسیہ میں اس کی تعمیر ہوئی اور بیسویں صدی کے آغاز تک مختلف زبانوں کے ادب پر اس کا نقش ثبت رہا اور آج بھی مشرقی علامتوں سے احتراز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ غزل، قصیدہ، رباعی وغیرہ کے اوزان طے شدہ ہی ہیں گو شکل کچھ بدل گئی ہے۔ گل و بلبل، شمع و پروانہ، بادہ و ساغر، بہار و خزاں وغیرہ آج بھی یکساں طریقہ پر پسندیدہ ہیں اور جدید ترین علامتوں کی تخلیق میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ناقابلِ تردید ہے کہ امریکہ کی جدید ترین تنقید جسے "لسانیاتی اسلوبیات" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس میں اور تنقید زیرِ بحث میں بہت معمولی سا فرق ہے۔ دونوں میں بڑی حد تک قربت اور مماثلت ہے۔ یہ رجحان تیز تر ہوتا جا رہا ہے جو اس امر کی توثیق کرتا ہے کہ یہ تنقید بہت جامع، جاندار اور قابلِ فخر حد تک اہمیت کی حامل ہے۔